تدوین حدیث

تدوین حدیث کا ماحول

(۳)

از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

جو نہیں جانتے ہیں وہ شاید باور کر لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جن اقوال و افعال کو یا تقریرات کو منسوب کیا گیا ہے ان کی تعداد لاکھوں لاکھ تک پہنچی ہے حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے[1]، میں بتا چکا ہوں الحاکم صاحبِ مستدرک کی یہ شہادت پیش کر چکا ہوں کہ اعلیٰ درجہ کی معیاری حدیثوں کی تعداد

---

[1] ابن جوزی سے بڑھ کر شاید اس باب میں خود خیال کیجئے کس کا بیان قابل اعتماد ہو سکتا ہے انھوں نے اپنی کتاب صید الخاطر فصل ۱۰۵ میں حدیثوں کے متعلق اسی عددی مغالطہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہ لو جمع الصحیح والمحال الموضوع وکل منقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما بلغ خمسین الفا (یعنی صحیح حدیثوں کے ساتھ ان ساری کی ساری بے بنیاد جھوٹی اور گھڑی ہوئی جعلی حدیثوں کو بھی جمع کر لیا جائے جو کتابوں میں پائی جاتی ہیں تو تعداد بھی پچاس ہزار تک نہیں پہنچ سکتی ہیں) انھوں نے لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے سارے اسلامی ممالک کا دو دفعہ دورہ ان ہی حدیثوں کے تتبع کرنے کے لئے کیا لیکن ان کی مسند میں بھی چالیس ہزار حدیثیں پائی جاتی ہیں جن میں دس ہزار مکرر ہیں مگر ابن عساکر نے وراق کا یہ قول نقل کیا ہے
(باقی بر صفحہ آئندہ)

لایبلغ عددھا عشرۃ آلاف حدیث | دس ہزار تک نہیں پہنچتی
مدخل ص

اور قوی و ضعیف، صحیح و حسن، معیاری، غیر معیاری حدیثوں کی تعداد مکررات کو الگ کر لینے کے بعد میرے خیال میں تیس پینتیس ہزار سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی۔ مگر ایک ایک حدیث کو مختلف راویوں سے سننے کا دستور، اور یہ کہ جتنے راویوں سے حدیث

(بسلسلۂ صفحۂ گذشتہ) اکر مکررات کو حذف کرنے کے بعد مسند احمد کی قوی و ضعیف حدیثوں کی تعداد تیس ہزار تک مشکل تمام پہنچ سکتی ہے (دیکھو الکتانی ج ۲ ص ۲) دراصل معنوی اور لفظی تکرار کے لحاظ سے شاید گننے میں یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے معنًا یا مآلاً جن دو حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے ابن عساکر نے ان کو بھی مکررات میں شمار کر لیا ہے اور ابن جوزی نے ان ہی حدیثوں کو مکرر خیال کیا ہے جن کے الفاظ بھی ایک ہی ہیں اور ابن جوزی کا شمار تو خیر تشدد پسندوں میں ہے، لیکن ان کے مقابلے میں جلال الدین سیوطی جیسے سہولت پسند بزرگ نے جمع الجوامع کے نام سے حدیثوں کے جمع کرنے کا جو آخری کام کیا ہے اور اسی کتاب کی فقہی ترتیب مشہور ہندی محدث علی متقی نے کنز العمال میں کی ہے دیباچہ میں شیخ علی متقی نے لکھا ہے کہ اس کتاب (یعنی کنز العمال) کے پڑھنے والا کے سامنے نہ صرف جمع الجوامع ہی کی کل حدیثیں آ جائیں گی بلکہ ایک حصہ ان حدیثوں کا بھی ان کو ملے گا جو جمع الجوامع میں نہیں پائی جاتیں اب دیکھئے کنز العمال کی حدیثوں کے گننے والوں نے بتایا ہے کہ یہ کتاب ۴۶۶۲۴ حدیثوں پر مشتمل ہے میں کہتا ہوں کہ کنز العمال کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے ان کو اندازہ ہوا ہوگا کہ اس میں اب بھی کتنی حدیثیں مکرر ہیں میرا تو خیال ہے کہ ان مکررات کو اگر حذف کر دیا جائے تو چالیس ہزار کی یہ تعداد گھٹ کر قریب قریب تیس ہزار تک پہنچ جائے تو تعجب نہ کرنا چاہیے کنز العمال کا خلاصہ بحذف مکررات خود علی متقی نے کیا ہے جو مسند احمد کے حاشیہ پر چھپ بھی چکا ہے شمار کرنے سے ثابت ہوا ہے کہ اس میں کل تیس ہزار اور دو حدیثیں درج ہو گئی ہیں اور کون نہیں جانتا کہ حدیث کے ان مجامیع یا دائرۃ المعارف میں رطب و یابس ہر طرح کی حدیثیں لے لی گئی ہیں اسی لیے میرا خیال ہے کہ صحیح اعلیٰ معیاری حدیثوں کی تعداد اگر دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتی تو ضعیف و حسن صحاح سب کو ملانے کے بعد تیس پینتیس ہزار سے آگے ان کی تعداد کا بڑھنا مشکل ہے۔ ۱۲

سنی جاتی تھی، ایک اصطلاح بنالی گئی تھی کہ حدیث کی تعداد بھی وہی قرار دی جاتی تھی یعنی دس راویوں سے اگر سنی گئی ہے تو وہی ایک حدیث دس حدیث بن جاتی تھی، الذہبی وغیرہ نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ لطیفہ ابراہیم بن سعید الجوہری کے تذکرے میں نقل کیا ہے کہ ایک صاحب جن کا نام جعفر بن خاقان تھا انھوں نے ابراہیم سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت کی ہوئی ایک حدیث کے متعلق کچھ دریافت کیا، ابراہیم نے اپنی لونڈی (جاریہ) کو بلایا اور کہا کہ

اخرجی لی الجزء الثالث والعشرین من مسند ابی بکرؓ	حضرت ابوبکرؓ کی روایت کردہ حدیثوں کی تیرہویں جلد نکال کر لا،

جعفر نے ابراہیم کے ان الفاظ کو سن کر حیرت سے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ سے تو پچاس حدیثوں کا صحیح ثابت ہونا بھی مشکل ہے، آپ نے ان کی حدیثوں کا اتنا ذخیرہ کہاں سے جمع کرلیا جس کی اتنی جلدیں ہیں، یہ سن کر ابراہیم نے حقیقت کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ

کل حدیث لا یکون عندی من مائة وجه فانا فیه یتیم	ایک ایک حدیث جب تک سو سو طریقوں سے مجھے نہیں ملتی، اس حدیث کے متعلق میں اپنے آپ کو یتیم خیال کرتا ہوں

تذکرہ ج ۲

مطلب ابراہیم کا یہی تھا کہ ایک ایک حدیث سو سو طریقوں سے جب تک مجھے نہیں ملتی اس وقت تک میں اپنے آپ کو اس حدیث کے متعلق وارث یتیم کا سا خیال کرتا ہوں، مطلب یہ ہوا کہ ایک حدیث کو بجائے ایک کے سو سو حدیث بنا لیتے تھے، ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ابوبکر صدیقؓ کی حدیثوں سے مجلدات ابراہیم نے اگر بنا لئے تھے تو اس

میں تعجب کی کیا بات ہے، میں نے کہیں ذکر کیا ہے کہ انما الاعمال بالنیات والی حدیث واقع میں ظاہر ہے کہ ایک ہی حدیث ہے، لیکن راویوں کے تعدد کی بنیاد پر محدثین نے بجائے ایک کے اس کی تعداد پانسو تک پہنچا دی ہے۔ میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ "محدثین" کا یہ خاص کارنامہ ہے، حدیثوں کی صحت وسقم کا پتہ چلانے کا یہ بہترین طریقہ تھا، جسے انھوں نے ایجاد کیا تھا۔

اس زمانے میں پروپاگنڈے کے لئے یا صرف اس لئے کہ خبر میں سنسنی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے بے بنیاد جھوٹی خبروں کے پھیلانے کا جو عام رواج ہے، ان خبروں کے متعلق بھی صحیح رائے وہی لوگ قائم کر سکتے ہیں جو مختلف نیوز ایجنسیوں کی خبروں اور مختلف اخباروں میں شائع ہونے والی اطلاعوں سے باخبر رہتے ہیں، وہی جانتے ہیں اور انہی کو یہ جاننے کا موقع ہے کہ کن کن ایجنسیوں کی روش محتاط ہے، ان میں کس کس کی کیا کیا خصوصیت ہے ان میں بھروسہ اور اعتماد کے قابل خبریں کون چھاپا کرتا ہے کچھ اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ اس زمانہ کے محدثین کا حال تھا سفیان ثوری کا ایک قول حاکم نے معرفۃ الحدیث میں نقل کیا ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ حدیثوں کے سننے کی غرض ایک ہی نہیں ہوتی، کہا کرتے تھے کہ

"ہم بعضوں سے اس لئے حدیث سنتے ہیں کہ اس کو اپنے دین میں شریک کریں اور کبھی کسی حدیث کی صحت اور عدم صحت کے متعلق فیصلہ کو ملتوی کرنے کے لئے بھی ہم بعضوں سے اس حدیث کو سنتے ہیں بعضوں کی بیان کی ہوئی حدیث کو ہم جانتے ہیں کہ مستحق توجہ نہیں ہے لیکن پھر بھی بیان کرنے والے کی روش اور مذہب کا پتہ چلانے کے لئے ہم اس سے حدیث سنتے ہیں"

معرفۃ علوم الحدیث حاکم ص۱۳۵

حاکم نے احمد بن حنبل کی زبانی ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ہم جس زمانے میں صنعاء (یمن)
میں حدیث پڑھنے کے لئے مقیم تھے، اور میرے ساتھ علاوہ دوسرے رفقاء کے
یحییٰ بن معین بھی تھے، ایک دن میں نے یحییٰ کو دیکھا کہ گوشہ میں بیٹھے ہوئے کچھ لکھ رہے
ہیں، اور کوئی آدمی جب سامنے آجاتا ہے تو اسے چھپا دیتے ہیں، دریافت کرنے پر
معلوم ہوا کہ حضرت انس کے نام جعلی حدیثوں کا ایک مجموعہ ابان کی روایت سے جو پایا
جاتا ہے، اسی کو یحییٰ نقل کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ تم ان غلط اور جھوٹی روایتوں کو نقل
کر رہے ہو، اس وقت یحییٰ بن معین نے کہا کہ

بھائی! اسی لئے تو اس کو لکھ رہا ہوں کہ ان ساری روایتوں کو لکھنے کے
بعد زبانی یاد کرلوں میں یہ جانتا ہوں کہ یہ ساری روایتیں جعلی ہیں، غرض میری
یہ ہے کہ ابان کی جگہ کسی معتبر راوی کا نام داخل کرکے غلط فہمی میں لوگوں کو اگر کوئی
مبتلا کرنا چاہے گا، تو میں اس غلط فہمی کا ازالہ اصل واقعہ کو ظاہر کرکے کرسکوں
گا یعنی بتا سکوں گا کہ جس جگہ پر ثقہ راوی کا نام رکھا گیا ہے یہ غلط ہے درحقیقت
ان روایتوں کا بنانے والا ابان ہے" ص۲ معرفۃ علوم الحدیث

یحییٰ بن معین نے اسی غرض سے موضوع حدیثوں کا بھی ایک طومار نقل
کیا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ دروغ بافوں سے میں نے بڑا ذخیرہ روایتوں کا لکھا
بھی ہے، لیکن میں نے اس سے تنور کو گرم کیا تو نہایت عمدہ پکی ہوئی روٹیاں
[illegible] تیار ہوگئیں۔ ص [illegible]

[illegible] تھے کہ [illegible] سے [illegible] کے لئے [illegible]
[illegible] اگر [illegible] محدثین بھی تھے

لئے کہ جھوٹی روائتوں کو سچی روائتوں سے جدا کرنے کے دوسرے ذرائع کے ساتھ ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ ہر طرح کے راویوں سے حدیثوں کو سُننے کی کوشش کی جائے حافظ ابو عمر بن عبد البر نے ایوب سختیانی کے حوالہ سے یہ تجربہ کی بات نقل کی ہے، کہا کرتے تھے،

"اپنے استاد کی غلطیوں سے تم اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتے جب تک کہ دوسروں کے پاس بھی جاکر نہ بیٹھو" ص۹۱ جامع

بہرحال حدیثوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ بھی، اور ایک ایک محدث کے یہاں سیکڑوں اساتذہ کا نام جو کتابوں میں لیا جاتا ہے، اس کی وجہ بھی محدثین کا یہی مذاق تھا یعنی جب تک ستر ستر طریقوں سے حدیث ان تک نہ پہنچی ہو۔ اس وقت تک اس حدیث میں اپنے آپ کو یتیم قرار دیتے تھے ان کے اساتذہ کی کثرت کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ شعبہ جو اپنی تسلی کے لئے ہر حدیث کا بیس دفعہ سُننا ضروری قرار دیتے تھے، ان کے کل اساتذہ نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے صحبت یافتہ بزرگوں یعنی تابعین میں ان کے استادوں کی تعداد جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے کہ

سمع من اربع مائة من التابعین تذکرہ ج۱ ص۱۷۴

تابعین میں سے جن جن استادوں سے شعبہ نے حدیث سُنی تھی ان کی تعداد چار سو ہے

مقصود اس طول طویل گفتگو سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے تن من دھن سب کو دین کے لئے مختص کر دیا تھا، یہی شعبہ نماز میں جن کے سجدوں اور رکوع کی وہ کیفیت تھی تو ذہبی ہی نے لکھا ہے کہ باوجود اس جفاکشی کے صائم الدہر رہتے تھے یعنی ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ دیکھ کر لوگوں کو رحم آتا۔ جلد بدن کی خشک نظر آتی تھی بھلا سوچئے تو جن

لوگوں کا حال یہ ہو کہ پوچھنے والوں نے پوچھا اب پیرانہ سالی میں آپ کے مشاغل کی نوعیت کیا رہ گئی ہے تو جواب میں بولے کہ بھائی! صرف ایک رکعت میں سورہ بقرہ پڑھ لیتا ہوں اور مہینے میں اب تین روزوں یعنی ایام بیض کے روزوں سے زیادہ رکھا نہیں جاتا۔

ابو اسحاق السبیعی کے حال میں ذہبی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کے اساتذہ میں (۳۸) صحابی ہیں (ص ۱۰۱ ج ۱) آخر اسی عہد کے محدثین میں جب ایسے لوگ بھی تھے مثلاً ثابت البنانی کے متعلق لکھا ہے کہ

دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے اندر معمول تھا کہ قرآن ختم کر لیتے تھے اور ہمیشہ صائم الدہر رہتے (ص ۱۱۸ ج ۱)

سلیمان تیمی بھی صائم الدہر تھے عموماً صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے رہے نفل کی نمازوں میں ان کا حال بھی یہ تھا کہ ستر دفعہ سے کم سجدے میں تسبیح نہ پڑھتے (ص ۱۴۲ ج ۱ تذکرہ)

اس عہد کے بزرگوں کے عبادات و ریاضات کی تفصیل کے لیے حلیۃ الاولیاء اور صفوۃ الصفوہ وغیرہ پڑھنی چاہیے نسبتاً ان میں جن لوگوں کو عافیت پسند اور آسائش و آرام، قناعت و رفاہیت کی زندگی بسر کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ جو خوش خوراک خوش پوشاک تھے جب ان کا حال یہ تھا، مثلاً امام نسائی کے متعلق ذہبی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہ بڑے وجیہ و خوشکل آدمی تھے، بردو نوبیہ (ایک قسم کی قیمتی چادر تھی) اور سبز دو شالے کو پسند کرتے تھے لکھا ہے کہ

کھانے میں نسائی زیادہ تر بڑے قد والے مرغ کو پسند کرتے تھے جو خاص کر ان کے لئے خریدے جاتے تھے، اور ان کو خصی کر کے خوب فربہ کر لیا جاتا تھا (۱۱۲)

لیکن باوجود ان تمام باتوں کے محمد بن مظفر بیان کرتے تھے کہ

"میں نے مصر جاتے ہوئے اثنائے سفر میں قیام اختیار کیا تو وہاں کے سادات علماء اور مشائخ کو پایا کہ وہ امام نسائی کی عبادت و ریاضت کی جن کا سلسلہ شب و روز جاری رہتا تھا، تعریف کرتے تھے" ص ۲۴۲

ان کے دینی تصلب کے لئے یہی کیا کم ہے کہ محض حق گوئی کی وجہ سے گویا ان کو شہید ہونا پڑا۔ؔ کہتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری بھی لطیف غذاؤں کا خاص ذوق رکھتے تھے ابن سعد نے حمید کا قول نقل کیا ہے کہتے تھے کہ

ما شممت مرقة قط اطيب من مرقة الحسن		حسن بصری کے شوربے سے زیادہ خوشگوار خوشبو میں نے کسی دوسرے آدمی کے شوربے میں نہیں سونگھی
	ابن سعد ج ۷ ص ۱۲۱	

ذہبی ہی میں ہے کہ گوشت کا روزانہ آپ کے دسترخوان پر رہنا ضروری تھا لیکن زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں جو ان کا حال تھا اس سے کون ناواقف

ؔ ذہبی لکھا ہے کہ مصر سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے امام دمشق میں ٹھہرے۔ عام طور پر خوارج کا اس زمانہ میں شام کے علاقوں میں زور تھا، جامع مسجد میں کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے محدث ہیں۔ امیر معاویہ کی تعریف میں بھی تو کچھ روایتیں بیان کیجئے۔ باوجودیکہ شام والوں کے عقائد سے امام نسائی واقف تھے اس پر بھی ان کا جو علم تھا اس کو چھپانا راستبازی اور دین کے خلاف معلوم ہوا، بھری مجلس میں کہہ دیا کہ امیر معاویہؓ کے متعلق کیا پوچھتے ہو معاملہ ان کا برابر سرابر بھی ہو جائے تو کیا تمہارے خوش ہونے کے لئے یہی کافی نہیں ہے۔ نتیجہ جو ہو سکتا تھا وہی ہوا کہ خوارج جن سے مسجد بھری پڑی تھی ان پر ٹوٹ پڑے اور بے تحاشا مارنا شروع کیا، لکھا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ شرمگاہ اور اندرونی حصوں کو لاتوں سے لوگوں نے اتنا کچلا کہ اس کی تکلیف سے جانبر نہ ہو سکے دمشق سے کسی طرح مکہ تک ان کو پہنچایا گیا لیکن مکہ پہنچ کر وفات ہو گئی۔ ج ۲ ص ۲۴۳ ذہبی

ہے ابن جوزی نے بیس جزوں میں ان کے حالات لکھے ہیں اسی سے اندازہ کیجئے یوسف بن اسباط جیسے آدمی کا بیان ہے کہ

تیس سال سے یہ شخص ہنسا نہیں ہے اور چالیس سال اس حال میں گذارا کہ اس عرصہ میں کسی سے مذاق نہ کر سکے ۔ صفوۃ ج ۳ ص۱۵۶

روتے رہتے تھے ، لوگ پوچھتے تو کہتے کہ معاملہ ایسے سے آپڑا ہے جسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے کون جانے کہ کل میں آگ میں نہ جھونکا جاؤں گا

ص۱۵۶ صفوۃ ج ۳

حسن بصری اور عمر بن عبد العزیز کے خوف کو دیکھ کر یزید بن حوشب کہا کرتے تھے کہ

" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے لئے حسن بصری اور عمر بن عبد العزیز کے سوا اور کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ہے "

یا امام مالک ہی ہیں ، کھانے پینے ، رہنے سہنے میں ان کا نقطۂ نظر عام طور پر مشہور ہے کہ ہمیشہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے عطر اور خوشبو میں ڈوبے رہتے ان کے دربار کے رعب اور وقار کو دیکھ کر لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ باب امیر (کسی بڑے امیر کی ڈیوڑھی ہے) آپ کا یہی معمول تھا کہ گوشت کے بغیر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے والد نے اس خصوصیت پر اتنا اصرار تھا کہ کسی دن اگر گوشت کے لئے پیسے نہ ہوتے اور اس کے لئے گھر کی کوئی چیز بیچنی پڑتی تو لکھا ہے کہ بفعل دو چیز بیچ کر گوشت خریدتے ۔

ص۱۵ الدیباج المذہب

ہر جمعہ کو دستور تھا ۔

كان يأمر خبازه سلمة ان — سلمة نامی باورچی جو آپ کا تھا اس کو حکم دے
يعمل له ولعياله طعاما كثيرا — رکھا تھا کہ امام اور ایام کے گھر والوں کے لیے
بہت زیادہ کھانا تیار کرے۔

مگر با وجود ان تمام باتوں کے ان کے علم و عمل، تقوی و دیانت کے جو گہرے نقوش امت کے قلوب پر قایم ہیں۔ کیا وہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ اللہ اللہ بارگاہِ رسالت مآب کے ساتھ جس کی نیازمندیوں اور ادب شناسیوں کا یہ حال ہو عبداللہ بن مبارک کی یہ چشم دید شہادت ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"امام مالک ہم لوگوں کو حدیث پڑھا رہے تھے، بچھو (جو ان کے کپڑوں میں کسی طرح گھس گیا تھا) نے سولہ دفعہ ڈنک مارے۔ امام مالک کا چہرہ ہر نیش پر متغیر ہو کر زرد پڑ جاتا تھا لیکن حدیث جس طرح بیان کر رہے تھے، بیان کرتے رہے، درمیان میں اس کے سلسلہ کو نہ توڑا جب درس ختم ہو گیا اور لوگ ادھر ادھر ہو گئے تب میں نے عرض کیا کہ آج آپ کا یہ کیا حال ہو رہا تھا تب وجہ بیان کی اور فرمایا کہ انما صبرت اجلالا لحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے احترام کی وجہ سے میں صبر کیے بیٹھا رہا) صلا دیباج

دوسری کتابوں میں ہے کہ درس سے فارغ ہونے کے بعد اندر تشریف لے گئے، کپڑے اتارے تب بچھو نکالا گیا۔ باہر آکر ابن مبارک سے چہرے کے تغیر کی وجہ بیان کی۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں واقعات کا تذکرہ اس طبقہ کے متعلق کیا جاتا ہے جو حدیثوں کے حفاظت و اشاعت کا صحابہ کے بعد ذمہ دار بن گیا تھا، گویا یہ صرف

گذر جانے کی بات ہے پیغمبرؐ اور پیغمبرؐ کی حدیثوں کا جس کے دل میں اتنا احترام ہو کہ بچھو ڈنک پر ڈنک مارتا چلا رہا ہے۔ لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا تھا، سنانے والا صرف اس خیال سے اپنی جگہ سے ہلتا بھی نہیں۔

حفاظِ حدیث کے اس گروہ میں جنھیں دست عطا کی گئی تھی، خود امام بخاریؒ بھی ہیں بخارا میں ان کی کافی جائداد تھی اور متعدد پن چکیاں ان کی چلتی تھیں۔ وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار بھی کرتے تھے جس میں ایک ایک دفعہ دس دس ہزار کا نفع ہوتا تھا لیکن باایں ہمہ صرف رمضان میں ان کے مجاہدے کا یہ حال تھا کہ علاوہ تراویح کے پچھلی رات کو نصف یا ایک تہائی قرآن تہجد میں ختم کرتے گویا ہر دوسرے یا تیسرے دن قرآن ختم ہو جاتا تھا۔ اور یہ اس تلاوت کے سوا تھا جو دن کو روزہ کی حالت میں کرتے تھے۔ دستور تھا کہ دن کو قرآن شروع کرتے اور افطار کے وقت تک ختم ہو جاتا تھا۔ امام بخاری کے ساتھ بھی کہتے ہیں امام مالک ہی کے قریب قریب حادثہ پیش آیا امام مالک تو حدیث پڑھا رہے تھے اس وقت بچھو نے کاٹا تھا۔ امام بخاری کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں سے کسی نے باغ میں حضرت کی دعوت کی تھی۔ اتنے میں ظہر کا وقت آگیا فرض سے فارغ ہو کر نفل میں مشغول ہوئے کہ عین نماز میں بھڑ نے کاٹنا شروع کیا لیکن نماز نہ توڑی جب سلام پھیر الوگوں سے کہا کہ دیکھو میرے کرتے میں کوئی چیز تو نہیں ہے دیکھا گیا تو بھڑ برآمد ہوئی کئی جگہ اس کے کاٹنے کی وجہ سے ورم ہو گیا تھا پوچھا گیا کہ نماز آپ نے توڑی کیوں نہیں فرمایا کہ

کنت فی سورۃ فاحببت ان اتمہا (تاریخ بغداد ج ۲)

میں ایک سورت کی تلاوت میں مشغول تھا جی چاہا کہ اس کو ختم کر لوں۔

اور میں ان قصوں کو کہاں تک بیان کروں۔ ان کی کوئی انتہا بھی ہو میرا

نوجوان ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق سمجھا گیا ہے کہ وہ کچھ غیر معمولی طور پر خوش خوراک و خوش پوشاک تھے ان کی غرض یہی ہی تھی کہ اس ذریعے سے کام زیادہ قوت اور زیادہ بشاشت کے ساتھ انجام پا سکتا ہے خیال تو کیجئے کہ راتیں جن لوگوں کی اس طرح گذرتی تھیں جیسا کہ امام بخاری ہی کے متعلق ان کے وراق (مسودہ نویس) محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ

"سفر میں امام بخاری کے ساتھ میرا قیام اسی کمرے میں عموماً ہوتا تھا جس میں امام آرام فرماتے تھے میں دیکھا کرتا تھا کہ رات کو جب ہم لوگ سوتے تھے تو امام بخاری بار بار اٹھ اٹھ کر چقماق سے چراغ جلاتے اور لکھی ہوئی حدیثیں پر کچھ علامت بناتے پھر سو رہتے۔ ایک ایک رات میں پندرہ سے بیس دفعہ تک میں نے دیکھا ہے کہ اٹھتے ہیں اور لیٹتے ہیں، میں عرض کرتا کہ جس وقت آپ اٹھتے ہیں، مجھے بھی اٹھا لیا کیجئے تو فرماتے کہ میاں تم جوان آدمی ہو تمہاری نیند کو میں خراب کرنا نہیں چاہتا۔ ص۱۹۱"

اس قسم کی محنت اور جفاکشی کے لئے خود ہی سوچنا چاہئے کہ کتنی غیر معمولی توانائی کی ضرورت ہے ایک دلچسپ لیکن غیر معمولی نتائج کا حامل اسی سلسلے کے بزرگوں میں وکیع بن الجراح کا وہ قصہ نامہ ہے جسے خطیب نے وکیع کے صاحبزادے سفیان بن وکیع کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ یہ وکیع مرف محدث ہی نہیں بلکہ فقہ کے بھی امام ہیں۔ خطیب ان کا اس پر فخر ہے کہ وکیع زیادہ تر امام ابو حنیفہؒ کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر فتوی دیا کرتے تھے سفیان ثوری کے تلمیذ خاص سمجھے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی وغیرہم اکابر کے وکیع استاد ہیں۔ امیر گرانے

کے عادی تھے۔ صرف والدہ سے لکھا ہے کہ دس ہزار درہم وراثت میں ان کو ملے تھے بہرحال چوبیس گھنٹے کا نظام اوقات آپ فرماتے ہیں ان کا کیا تھا وہ سُنیے ان کے صاحبزادے کہتے تھے۔

"میرے والد صائم الدہر تھے، قاعدہ ان کا یہ تھا کہ صبح سویرے (نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد) درس حدیث کے حلقہ میں تشریف لاتے حدیث کے طلباء کو پڑھاتے رہتے تا اینکہ دن کافی چڑھ جاتا حلقہ سے اُٹھ کر گھر تشریف لاتے، اور سو جاتے ظہر کے وقت تک سوتے اس کے بعد ظہر کی نماز کے لئے اُٹھتے، نماز سے فارغ ہو کر اس سڑک کی طرف چلے جاتے جدھر سے پانی بھرنے والے بھشتی پکھالیں بھر بھر کر شہر کی طرف لاتے تھے اور ہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن اس کو کتنا یاد ہے جسے یاد نہ ہوتا اسے قرآن کی اتنی سورتیں یاد کراتے جو نماز پڑھنے کے لئے کافی ہو یہ کام عصر کے وقت تک کرتے عصر کی نماز اپنی مسجد میں ادا فرماتے، اور نماز کے بعد وہیں بیٹھ کر قرآن کا درس دیتے کچھ وقت بچتا اسے اللہ کی یاد میں گذارتے مغرب کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے، تب افطار کا کھانا آپ کے آگے رکھا جاتا، قریب دس رطل (گویا پانچ سیر) سے کم مقدار مجموعی طور پر کھانے کی نہ ہوتی کھانے کے بعد آپ کے سامنے نبیذ کا قرابہ پیش ہوتا، دس رطل کے قریب نبیذ[1] جس میں ہوتی کھانے کے بعد اس قرابے سے جتنا ان کا جی چاہتا پیتے رہتے، اور جو بچ جاتا اس کو سامنے رکھ لیتے"

---

[1] نبیذ کیا چیز ہے، جو نہیں جانتے ہیں یا نہیں جاننا چاہتے ہیں انھوں نے طرح طرح کی باتیں اس کے متعلق (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اس کے بعد کیا کرتے تھے، اسی کو میں پیش کرنا چاہتا تھا، سفیان بن وکیع کہتے ہیں کہ

وتقوم فيصلي ورداً من الليل وكلما — پھر کھڑے ہو جاتے اور رات میں تاروں کا

مثنى ركعتين او اكثر من شفع او — جو ورد ان کا تھا اسے پورا کر لیتے، اور دو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مشہور کر رکھی ہیں حالانکہ اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اطباء جس دوا کو خیساندہ کہتے ہیں یعنی رات کو پانی میں عناب، گاؤزبان، سپستان وغیرہ اسی قسم کی نباتی دوائیں ڈال دی جاتی ہیں اور صبح کو انہیں ان ہی الفاظ "تالیدہ صاف نمودہ بنوشند" نبیذ بھی بالکل یہی چیز تھی فرق صرف اتنا تھا کہ بجائے نباتاتی دواؤں عناب سپستان وغیرہ کے کھجور یا کشمش، منقی کو پانی میں رات کو ڈال دیتے تھے جیسے "تالیدہ صاف نمودہ" صبح کو پیتے تھے۔ اور صبح کو ڈالی ہوئی نبیذات کو استعمال کرتے تھے میں پوچھتا ہوں کہ دوائی خیساندہ کا استعمال کا موقعہ کیسے نہ ہوگا۔ پھر کیا اس میں نشہ یا سکر پیدا ہو جاتا ہے حالانکہ نباتاتی اشیاء ہونے کی وجہ سے اس میں بھی الکحل پیدا ہو سکتا ہے جیسے کھجور، کشمش، منقے کے خیساندہ کو عرب میں اگر کھڑے رکھیے تو یقیناً اس عمل کے بعد اس میں جوش پیدا ہونے کف پھینک دینے کے بعد نشہ پیدا ہو جاتا ہے لیکن نبیذ اس کے بعد تو شراب بن جاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبیذ کے نام سے ناجائز نفع اٹھاتے ہوئے بعض لوگوں نے شراب کو بنام نبیذ استعمال کیا ہو۔ لیکن ائمہ کوفہ نے نبیذ کی حلت کا جو فتویٰ دیا ہے میرے خیال میں اس کی حرمت پر اصرار کرنا ایسا ہی ہے کہ کسی حلال چیز کو خواہ مخواہ حرام ثابت کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ دوائی خیساندے کو بعض دفعہ آگ پر جوش دے کر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اس میں بھی نشہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح کھجور یا کشمش کے خیساندہ کو آگ پر اگر جوش دے دیا جائے تو گاڑھا ضرور ہو جائے گا۔ لیکن نشہ اس میں پیدا ہوگا قطعاً یہ تجربہ کے خلاف ہے اگر اس میں نشہ کا پیدا ہونا ضرور ہے تو چاہیے کہ سارے دوائی خیساندے میں نشہ پیدا ہو جائے۔ [illegible] کو لوگوں نے اس معاملہ میں بہت بدنام کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا وکیع امام ہی کے مسلک کی اتباع فقہ میں کرتے تھے اس لئے وہ خود بھی پیتے تھے اور دوسروں کو بھی پینے کا حکم دیتے تھے۔ کسی نے وکیع سے کہا کہ حضور میں نے نبیذ کی حرمت کو خواب میں دیکھا کہنے والا کہتا ہے کہ تو نے شراب پی وکیع نے سن کر فرمایا کہ شیطان تھا جس نے تجھ سے کہا کہنے لگے کہ فرات کے پانی اور نبیذ میں میرے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے" خطیب ص ۴۶۹ ج ۱۳

وترشرب منها حتی ینفدها — دو دو رکعتوں، یا ان سے زیادہ رکعتوں کے بعد

ثم ینام تاریخ بغداد ص ۱۱۲ ج ۱۳ — خواہ طاق ہوتیں یا جفت، سلام پھیر کر، اسی

قرابہ سے پیتے رہتے تا آنکہ ختم ہو جاتا پھر سو رہتے

ظاہر ہے کہ دن بھر روزہ رکھنے کی وجہ سے جو ضعف پیدا ہو جاتا تھا، اسی کی تلافی رات کو نبیذ سے فرماتے تھے، کیونکہ نبیذ کو نشہ آور عرق قرار دینا، تو تجربہ سے پہلے خواہ مخواہ بدگمانی میں مبتلا ہو کر ایک دعویٰ کر بیٹھنا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ کھجور اور انگور سے جو عرق نبیذ کی شکل میں حاصل کیا جاتا تھا اس سے کافی قوت پیدا ہوتی تھی اسی لئے تو وکیع نبیذ کے قرابے کو سامنے رکھ کر رات کی نماز پڑھا کرتے تھے جہاں کچھ سستی محسوس ہوتی ایک پیالہ چڑھا لیتے تھے جب وہ ختم ہو جاتا تو سو رہتے تھے

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ وکیع ہی کے متعلق الذہبی نے جس واقعہ کا ذکر بطور ایک ظریفانہ لطیفہ کے کیا ہے مجھے تو ظرافت سے زیادہ اس میں حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے لکھا ہے کہ وکیع ذرا جسیم شحیم بھاری بدن کے آدمی تھے، جب مکہ پہنچے اور مشہور صوفی فضیل بن عیاض سے ملاقات ہوئی تو ان کی فربہی کو دیکھ کر فضیل نے کہا کہ میں نے تو سنا ہے کہ تم راہب العراق ہو، پھر یہ فربہی کیسی؟ جواب میں وکیع نے فرمایا

ھذا من فرحی بالاسلام — اسلام کی وجہ سے نشاط کی جس کیفیت میں رہتا ہوں یہ اس کا نتیجہ ہے، تذکرہ ص ۲۸۳ ج ۱

واللہ اعلم کہ ان کا واقعی مطلب کیا تھا لیکن میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ آدمی اپنے جسم کی بھی نگہداشت سے غفلت اختیار نہ کرے اور محنت و مشقت کا جو بار اس پر ڈالا جاتا ہے اس کی تلافی عمدہ اور لطیف غذاؤں سے کرتا رہے تو حق دینی سے جینا

اور دماغی الجھنوں سے اسلام آدمی کو نجات عطا کر کے روحانی سکون بخشتا ہے ان دونوں باتوں کا مجموعی اثر دین ہونا چاہیئے جس کا دیکھ کے وجود میں مشاہدہ کیا گیا تھا۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں نے جیسا کہ عرض کیا، دیکھ کے وقت نامے سے اور بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو اسی کا پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے کے بزرگوں کی ساری زندگی مقررہ اوقات کے ساتھ بندھی ہوئی تھی، یہ ان کے ضبط اوقات ہی کا نتیجہ تھا کہ ان علمی مشاغل اور مجاہدات کے ساتھ جو بجائے خود حیرت انگیز ہیں وہ علم کا کام اور کیا کام؟ انجام دے سکتے تھے بعض لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ جن لوگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور اتنی مختصر مدت میں قرآن ختم کرتے تھے، آخر ان ہی کو ہزارہا ہزار حدیثوں کے یاد کرنے کا موقع کیسے مل جاتا تھا۔ لیکن سمجھا نہیں گیا۔ پہلی بات تو یہی ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو لایعنی مشاغل میں جو صرف کرنے کے عادی ہیں وہ ان لوگوں کے اوقات کی برکتوں کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے جو اپنی ایک ایک سانس کی قیمت حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں آخر عام لوگوں کا کیا حال ہے تھوڑا وقت معاشی کاروبار میں وہ ضرور لگاتے ہیں، لیکن اس کے بعد کھیل تماشوں سینما بینی، تاش بازی، اور اسی قسم کی مختلف بازیوں میں جتنا وقت بے کار وہ خرچ کر دیتے ہیں، اگر اسی میں وہ کام کرنے کا تجربہ کریں تو خود ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ جو کچھ ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے ماسوا اس کے محدثین کی زندگی کے دو مستقل دور رہے۔ ایک زمانہ ان کا طلب حدیث کا ہوتا تھا، گذر چکا کہ اس زمانہ میں عہد صحابہ اور اس کے بعد بھی سمجھا جاتا تھا کہ نفلی عبادات پر علمی اشتغال کو ترجیح دینا چاہیئے اس سلسلے میں متعدد شہادتوں کا تذکرہ کر چکا ہوں

اسی کا نتیجہ تھا کہ جن سے نفلی عبادات کا ترک بالکلیہ ممکن نہ ہو سکتا تھا وہ اپنے اوقات خصوصاً اپنی راتوں کو چند حصوں پر تقسیم کر دیتے تھے، عمرو بن دینار جو سفیان و شعبہ وغیرہ کے استاذ اور ابن عباس و ابن عمر کے شاگرد ہیں ان کے حال میں لکھا ہے کہ

رات کو انھوں نے چند حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک ثلث تو نیند کے لیے تھا، دوسرے ثلث میں وہ حدیثیں یاد کرتے تھے اور تیسرے ثلث میں نمازیں پڑھتے تھے ملاحظہ جامع

اور طلب حدیث کا دور جب گذر جاتا تھا تو ظاہر ہے کہ حدیث کے ان حافظوں کو اب حدیث کے یاد کرنے کے لیے وقت دینے کی ضرورت نہیں رہتی تھی رات ان کی فارغ ہو جاتی تھی، البتہ دن کو شاگردوں کے سامنے اپنی یاد کی ہوئی حدیثوں کو دہراتے تھے اور اسی سے انکی یاد تازہ رہتی تھی، بڑے بڑے حفاظ کا تو یہ حال تھا کہ ان کا حافظہ بھی غیر معمولی طور پر قوی تھا، اسی لئے اس قسم کے حضرات درس حدیث کے وقت اپنے ہاتھ میں کتاب کبھی نہیں رکھتے کتابوں میں پڑھیئے اس قسم کے فقرے ملتے

لم یر فی ید سفیان بن عیینۃ والثوری وشعبۃ ووکیع کتاب قط	سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری و شعبہ وکیع کے ہاتھوں میں کتاب کبھی نہیں دیکھی گئی
ما رئی لوکیع کتاب قط ولا لھشیم ولا لحماد ولا لمعمر خطیب ص۱۴۱	نہ وکیع ہی کے ہاتھ میں کتاب دیکھی گئی اور نہ ہشیم کے ہاتھ میں نہ حماد کے ہاتھ میں اور نہ معمر کے ہاتھ میں

یہ تو غیر معمولی حافظہ رکھنے والے بزرگوں کی عام عادت تھی مبادی جن پر لکھنا ان

کی قوت یادداشت ایسی تھی پڑھانے کے وقت اپنے ہاتھوں میں وہ کتاب رکھتے تھے بلکہ جو کچھ سیکھا ہوتا ان کو درس کا موقع میسر آتا تو گذر چکا کہ مکتب خانوں کے بچوں کے سامنے یا عام غرباء کے مجمع میں جا کر اپنی حدیثوں کو دہراتے تھے، بہرحال وکیع کے نظام الاوقات کا سب سے زیادہ عبرت انگیز جزو وہ ہے کہ مسلمانوں کی گذرگاہ میں بچوں کو قرآنی سورتیں یاد کراتے تھے۔ آج کسی مولوی کو کسی قصبہ یا شہر میں معمولی سا امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے تو وہ بیچارہ خدا جانے اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستباز خادموں کو آپ دیکھ رہے ہیں یہ وکیع ہیں وہی وکیع امام فن رجال یحییٰ بن معین جن کے متعلق کہتے تھے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا آدمی نہیں دیکھا۔ یہی دعویٰ امام احمد بن حنبل کا بھی تھا کہ علم میں وکیع جیسا آدمی میری نظر سے نہیں گذرا۔ امام احمد کی طرف یہ قول بھی منسوب کیا گیا ہے۔

ما رأت عيني مثل وكيع قط يحفظ	وکیع جیسے آدمی کو میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا
الحديث جيدا ويذاكر بالفقه	حدیثیں بھی ان کو خوب یاد تھیں اور فقہی مسائل بھی
فيحسن مع ورع واجتهاد	خوبی کے ساتھ بحث کرتے تھے ان ہی فضائل
ولا يتكلم في احد خطيب ج۱۳	کے ساتھ ان میں پارسائی اور عبادت میں
	جدوجہد کی خصوصیت بھی پائی جاتی تھی وہ
	کسی پر اعتراض اور نکتہ چینی بھی نہیں کرتے تھے

لیکن جو اپنے وقت کا سب سے بڑا امام فقہ میں بھی تھا اور حدیث میں بھی وہ حبشیوں کو قرآن کی ابتدائی سورتوں کے سکھانے کو بھی اپنی زندگی کا ایک فرض قرار دئے ہوئے تھا، ایسے ہی آدمی کے گھر میں یہ ہو سکتا تھا جیسا کہ ان کے

صاحبزادے ابراہیم کا بیان ہے۔

میرے والد تہجد کی نماز کے لئے جس وقت اٹھتے تھے قرآن کے ساتھ ساتھ گھر اس نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا، حتیٰ کہ گھر میں بعض چھوکری تک تہجد پڑھتی تھی۔ خطیب ج ۱۲

بہرحال ان چیزوں کو کہاں تک لکھوں غرض یہ تھی کہ صحاح ستہ کے مصنفین سے پہلے اور عہد صحابہ کے بعد حدیث کی حفاظت و اشاعت کا کام سو ڈیڑھ سو سال کے اس درمیانی وقفہ میں جن لوگوں کے سپرد رہا خود ان کا اور جس ماحول میں وہ تھے صحیح واقعات کی روشنی میں اس ماحول کا ایک سرسری اجمالی خاکہ بقدر ضرورت لوگوں کے سامنے آجائے اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ آپ کے سامنے اس وقت تک پیش کیا جا چکا ہے انشاء اللہ اس مقصد کے لئے وہ کافی ہے، اب اسی کے ساتھ اصولاً چند چیزوں کو اپنے سامنے رکھ لیجئے اگرچہ ضمناً ان کی طرف بھی اشارہ کرتا چلا آیا ہوں

(۱) یاد رکھنا چاہئے کہ واقعات کا یاد رکھنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا کہ اقوال و ملفوظات کا، واقعات کی حالت تو یہ ہے کہ شاید ہی کوئی آدمی ہوگا جس کے حافظہ میں ہزارہا واقعات کی یاد تازہ نہ ہو، کم از کم وہی واقعات جو اس شخص کے ساتھ گزرے ہوں، ہوش سنبھالنے کے بعد صبح و شام لوگوں کے سامنے واقعات گزرتے رہتے ہیں، اور وہ یاد رہتے ہیں، ان کے یاد کرنے کے لئے حافظہ پر زیادہ بار ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس فطری نظام کے سوا اس کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ملفوظات طیبہ ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ آپ کو کرتے ہوئے جو کچھ دیکھا

گیا، یا آپ کے سامنے دوسروں نے جو کچھ کیا، اور آپ نے اس سے منع نہیں کیا، اصطلاحاً جس کا نام محدثین نے تقریر رکھا ہے حدیث کا لفظ ان واقعات کو بھی حاوی ہے، اسی لئے جب کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو اتنی حدیثیں یاد تھیں تو اس کا مطلب یہی نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف ملفوظات اتنی تعداد میں ان کو یاد تھے بلکہ ملفوظات کے ساتھ بڑا حصہ ان حدیثوں میں افعال و تقریرات کا بھی ہوتا ہے۔

(۲) خود صحابہ میں بھی بجز معدودے چند حضرات کے جنھیں مکثرین کہتے ہیں زیادہ تر اسی قسم کے حضرات ہیں جن کی روایت کی ہوئی حدیثوں کی تعداد کا سو سے متجاوز ہونا بھی مشکل ہے، اسی سے اندازہ کیجئے کہ سو یا سو سے کچھ اوپر حدیثوں کے روایت کرنے والے حضرات صحابہ میں بیس پچیس سے زیادہ نہیں ہیں، ورنہ ان کی عمومیت اصحاب العشرات (یعنی سو سے کم، نوے، اسی، ستر، ساٹھ، پچاس دس تک) میں شمار ہوتے ہیں، تاہم صحابۂ کرام کے عہد تک حدیثوں میں سند کا سوال چونکہ پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ بات فقط متن تک محدود تھی نیز جن چیزوں کو وہ بیان کرتے تھے ان کے وہ خود ذاتی تجربہ کار اور دیکھنے والے تھے اس لئے چند صحابی مثلاً ابوہریرہ، عائشہ صدیقہ، انس بن مالک، ابن عمر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثوں کی تعداد کافی ہے۔ لیکن صحابہ کے بعد چونکہ سند کا یاد رکھنا بھی ضروری قرار دیا گیا اور جیسے جیسے دن گذرتے جاتے تھے کڑی پر کڑی کا اضافہ سند میں ہوتا چلا جا رہا تھا، حافظہ پر اس کی وجہ سے زیادہ ذمہ داری عاید ہوئی غالباً یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے بعد والوں میں زمانہ تک ہمیں اسی قسم کے حضرات ملتے ہیں جن کی حدیثوں کی تعداد محدود تھی، اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ابن شہاب زہری جیسے آدمی کی روایتوں کی مجموعی تعداد کو بتاتے ہوئے الذہبی نے لکھا ہے کہ

قال ابو داؤد حدیث الفان | ابو داؤد کا بیان ہے کہ زہری کی روایتوں کی تعداد
وما کان النصف منھا مسند | (۲۰۰۰) ہے جس میں سند (یعنی رسول اللہ صلی اللہ
ص۱۰۲ تذکرہ | علیہ وسلم تک مسلسل سند کے ساتھ جو روایتیں
منسوب ہیں، ان کی تعداد کل نصف ہے۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ان کی مستند حدیثوں کی تعداد ایک ہزار ایک سو سے زیادہ نہ تھی اور یہ حال جب زہری کی روایتوں کا ہے تو دوسروں کی روایتوں کو اسی پر قیاس کیجئے، زہری سے پہلے قاسم بن محمد جلیل القدر تابعی ہیں۔ لیکن ذہبی ہی نے ان کے حال میں لکھا ہے کہ

قال ابن عیینۃ کان القاسم | ابن عیینہ کہتے تھے کہ قاسم اپنے عہد کے سب
اعلم اھل زمانہ وقال علی | سے بڑے عالم تھے اور ابن مدینی کا بیان ہے
بن المدینی لہ مائتا حدیث | کہ قاسم کی روایتوں کی تعداد کل دو سو ہے
ص۹۱ ج۱ تذکرہ

اسی طرح بصرہ کے امام حدیث ثابت البنانی کی حدیثوں کی تعداد ذہبی نے لکھا ہے کہ دو سو پچاس تھی، ص۱۱۶ ج۱ سلیمان تیمی کی روایتوں کی تعداد کل دو سو بتائی گئی ہے ص۱۲۲ ج۱ عمرو بن مرہ بھی کل دو سو ہی حدیثوں کے راوی تھے ص۱۱۸ یحییٰ بن سعید الانصاری کے پاس بھی صرف تین سو حدیثوں کا ذخیرہ تھا ص۱۲۹ ذہبی۔ ایوب سختیانی کل آٹھ سو روایتوں کے راوی تھے ص۱۲۳ ج۱

میں نے تذکرہ الحفاظ سے یہ چند مثالیں چن لی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے بعد شروع میں لوگوں کے پاس حدیثوں کی محدود تعداد تھی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا

طرف بڑھتا گیا اس منتشر اور بکھرے ہوئے سرمایہ کو لوگوں نے سمیٹنا اور جمع کرنا شروع کیا۔ بعض لوگوں نے خاص قسم کی حدیثوں کو جمع کیا۔ مثلاً احکام یعنی فقہی مسائل جن حدیثوں سے پیدا ہوتے ہیں ان کے متعلق امام شافعی کا بیان ہے کہ

وجدت احادیث الاحکام کلها	احکام جن سے اسلامی قوانین پیدا ہوتے ہیں)
عند مالك سوى ثلاثين حديثا	ان کی متعلقہ حدیثوں کا سارا ذخیرہ میں نے امام
ووجدتها كلها عند ابن عيينه	مالک کے پاس پایا بجز تیس حدیثوں کے پھر
سوى ستة احاديث تذكرة الحفاظ	ایسا ذخیرہ جس میں یہ تیس حدیثیں بھی شریک تھیں
جلد ۱	میں نے ابن عیینہ کے پاس پایا بجز چھ حدیثوں
	کے کہ وہ ابن عیینہ کے پاس بھی نہ تھیں)

اسی طرح بعض حضرات نے کسی خاص علاقے کے راویوں کی حدیثیں جمع کیں ذہبی نے علی بن مدینی کے حوالہ سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

دار علم الثقات على الزهري	معتبر راویوں کا علم ان چند بزرگوں پر گردش کرتا
وعمرو بن دينار بالحجاز	ہے یعنی حجاز کا علم زہری عمرو بن دینار پر اور
وقتادة ويحيى بن ابي كثير	بصرہ کا علم قتادہ و یحییٰ بن کثیر پر، کوفہ کا ابو اسحاق
بالبصرة وابي اسحاق والاعمش	و اعمش پر گردش کرتا ہے، جس کا مطلب یہ
بالكوفة يعني ان غالب الاحاديث	ہے کہ صحیح حدیثیں عموماً ان بزرگوں کے دائرہ
الصحاح لا تخرج عن هؤلاء	علم سے باہر نہیں ہیں،
السنة جلد ۱	

اسی طرح ابوداؤد طیالسی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد کہ

وجدنا الحديث عند اربعة	میں نے حدیث کا ذخیرہ چار آدمیوں کے پاس
الزهري وقتادة وابي اسحٰق	پایا یعنی زہری، قتادہ اور ابو اسحاق اور
والاعمش	اعمش

ذہبی نے طیالسی کا یہ تخمینہ نقل کیا ہے کہ

ولم يكن عند واحد من هؤلاء	اور ان میں سے ہر ایک کے پاس دو دو ہزار سے
الا الفين الفين مثلا	زیادہ حدیثوں کا سرمایہ نہ تھا۔

مگر جیسے جیسے زمانہ آگے کی طرف بڑھتا گیا، لوگوں میں ایک ہی حدیث کو مختلف راویوں سے سننے کا شوق بڑھتا چلا گیا جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ اس زمانہ میں واقعات کی حد تک پہونچنے کے لئے کسی ایک اخبار میں کسی نیوز ایجنسی کی دی ہوئی خبر کا پڑھ لینا کافی نہیں ہوتا کچھ اسی قسم کا حال حدیث کے باب میں ان بزرگوں کا ہو گیا تھا، اس میں لوگوں کی اولو العزمیاں ترقی کر کے اس حد کو پہنچ چکی تھیں کہ بعض لوگ سو سو طریقوں سے جب تک کسی روایت کو سن نہیں لیتے، اپنے آپ کو اس روایت میں یتیم خیال کرتے تھے اور قاعدہ یہ بن گیا تھا کہ مختلف طریقوں سے جو حدیثیں سنی جاتی تھیں محض سند میں کسی ایک راوی کے بڑھ جانے یا متن میں کسی لفظ کے اضافے کے ساتھ ہی بجائے ایک حدیث کے وہی ایک حدیث دو حدیثیں بن جاتی تھیں میں کہہ چکا ہوں کہ اس طریقے سے حدیثوں کی تعداد بڑھتے ہوئے لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ نیز حدیث کے لفظ کے نیچے صحابہ اور تابعین کے اقوال و فتاویٰ کو بھی آخر میں لوگ درج کرنے لگے۔ حدیثوں کے عددی اضافہ میں کچھ اس کو بھی دخل ہے ورنہ عرض کر چکا ہوں کہ اصلی حدیث کی معیاری حدیثوں کی تعداد دس ہزار تک بھی نہیں پہونچتی اور صحیح حدیثوں کے ساتھ ضعیف و حسن وغیرہ کو ملا

جائے تو یہ مشکل نہیں تیس ہزار وہ ثابت ہوتی ہیں، بلکہ ابن جوزی کا قول نقل کر چکا ہوں کہ جعلی اور موضوع حدیثوں کو ملا لینے کے بعد حدیثوں کے سارے سرمایہ کو پچاس ہزار تک پہنچانا مشکل ہے۔

اسی کے ساتھ اس کو بھی بھولنا نہ چاہیے کہ جن لوگوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ لاکھ یا لاکھ سے اوپر تک کو حدیثیں یاد تھیں۔ مثلاً امام بخاری۔ امام مسلم، یا ابوزرعہ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ سو ظاہر ہے کہ ان میں یا تو خود صحاح ستہ کی کتابوں کے مصنف ہیں، یا ان کے معاصرین ہیں، جیسے ابوزرعہ امام بخاری کے معاصر ہیں یا صحاح کے مصنفین کے بعد کے لوگ ہیں، جیسے احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ اور اس وقت میری گفتگو کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مصنفین صحاح سے پہلے اور صحابہ کے بعد درمیانی عہد میں حدیث کی خدمت کرنے والے تھے، کم از کم اس عہد میں میں نہیں جانتا کہ کسی کے متعلق لاکھ دو لاکھ کی حدیثوں کا دعویٰ کیا گیا ہو۔

(۲)، محدثین کے ان حفاظ کے متعلق عام طور پر جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان میں ہر ایک کی حالت یہی تھی کہ سن لینے کے بعد اس کو حدیثیں زبانی یاد ہو جاتی تھیں، یہ تفصیل بتا چکا ہوں کہ یہ واقعہ کی قطعاً غلط تصویر ہے، اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان میں بعضوں کا حافظہ یقیناً غیر معمولی تھا، اور حافظہ ہی کیا، سارے انسانی کمالات کے متعلق آپ کو غیر معمولی مثالیں ہر زمانہ میں تلاش سے مل سکتی ہیں۔ ان کی بلندی کی بھی اور پستی کی بھی، یہی حال حافظہ کی قوت کا بھی ہے رومیوں کی تاریخ میں مشہور رواقی حکیم سینیکا کے باپ مارکس رینالس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ

"وہ دو ہزار الفاظ سننے کے بعد بالترتیب ان کو [illegible] کر دیا کرتا تھا"
(ہسٹری آف مورلز ترجمہ)

یہ قوت یادداشت کا ایک نقطہ تھا، اسی کے مقابلہ میں فرانسیسیوں کی اسی تاریخ میں ہم رومی بادشاہ کلاڈیس کے حالات میں پڑھتے ہیں کہ

اس کے حافظہ کی حالت یہ تھی کہ ان اشخاص کو شطرنج کھیلنے کے لئے بدعو کرتا جو اس روز سے قبل اس کے حکم سے ملک عدم کو روانہ ہو چکے تھے اس نے ایک دفعہ اپنے مصاحبوں سے اپنی ملکہ کی عدم موجودگی کی وجہ پوچھی، حالانکہ کئی دن پہلے بدنصیب ملکہ اسی بادشاہ کے قہر کا لقمہ بن چکی تھی (یعنی قتل کرائی جا چکی تھی)، کتاب مذکور ص ۹۲ ج ی

گویا اس رومی بادشاہ کے حافظہ کی حالت قریب قریب وہی تھی جو عربی کے افسانوی قصوں میں ھبنقاء نامی شخص کے متعلق لوگ ذکر کرتے ہیں کہ گلے میں ٹوٹے ہوئے ہوتوں کا ہار اس لئے ڈالے رہتا تھا کہ اپنے آپ کو پہچان سکے اور یاد رکھ سکے کہتے ہیں کہ اس ہار کے بغیر اپنے آپ کو بھی وہ بھول جاتا تھا۔

بہر حال بعض محدثین کی غیر معمولی قوت یادداشت اب خواہ اس عام قانون کا نتیجہ ہو اور اسلام کو ان سے کام لینے کا موقعہ مل گیا، یا یہ سمجھا جائے کہ آخری نبوت کے متعلقہ معلومات کی حفاظت کے لئے قدرت نے جہاں دوسری چیزیں پیدا کی تھیں ان ہی میں غیر معمولی حافظہ رکھنے والے حضرات بھی پیدا کئے گئے تھے۔ کچھ بھی ہو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں کی تعداد محدثین میں بھی بہت تھوڑی تھی عدد نہ عام حال ان کے حافظوں کا بھی وہی تھا جس کا ذکر ایک محدث نے وکیع کی قوت یادداشت کو پیش کرکے کیا تھا یعنی کہا کہ

من حفظ وکیع کان طبعیا   وکیع کا حافظہ ان کی ایک طبعی خصوصیت

وحفظنا تکلف خطیب ج ۱۴ صفحہ ۱۴۷ تھی اور ہم لوگ جو یاد کرتے ہیں تکلف کی یاد ہے

اوسط درجہ کی قوتِ یادرکھنے والے لوگ کسی چیز کو جس تدبیر سے یاد کرتے ہیں تکلف والے حفظ سے یہی مراد ہے اسی تکلف والے حفظ سے کام لے کر اس وقت تک دکھوں لاکھ کی تعداد قرآن کے حافظ لوگ بن رہے ہیں یعنی ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ رفتہ رفتہ تدریجی طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے یاد کرتے ہیں، اور آپ سن چکے کہ کسی ایک آدمی کا نہیں بلکہ اس زمانہ کے عام محدثین کا یہی دستور معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں چند حدیثیں جن کا اوسط پانچ سے دس تک کی حدیثوں کا تھا اپنے شاگردوں کو سکھاتے تھے، مقصد اس کا یہی تھا کہ عام لوگوں کے لئے حدیثوں کی یاد کرنے کی تدبیر بہ تکلف والی شکل ہی ہو سکتی تھی۔

اب ان سارے معلومات اور مقدمات کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ مصنفین صحاح اور عہد صحابہؓ کے اس درمیانی وقفہ میں ان بھی لیا جائے کہ حدیثوں کی حفاظت کی ایک ہی شکل یعنی کتابت نہیں صرف حفظ ہی تھی، تو جو ان کا ماحول تھا اور جس قسم کے ظاہری باطنی خصوصیات میں از سرتا القدم وہ ڈوبے ہوئے تھے ان کے لحاظ سے حدیثوں کو زبانی یاد کر لینا یہ کام ان کے لئے کچھ بھی دشوار تھا؟ ایک ایسے بدترین ناموافق حالات جن میں بھی صدی ڈیڑھ صدی سے مسلمان گذر رہے ہیں ان کی زندگی کا سارا نظام الٹ پلٹ ہو چکا ہے، قلوب پر دین کی گرفت روز بروز ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے لیکن باایں ہمہ حفظ بہ تکلف کے عام قانون کے تحت ہمارے اور آپ کے سامنے دس بیس صدی ہی نہیں بلکہ اول سے آخر تک الحمد سے والناس تک کے حافظ قرآن ہزار ہا ہزار کی تعداد میں جیتے جاگتے موجود ہیں یہی تو جس زمانہ کا نقشہ صفحات بالا میں آپ کے سامنے رکھا گیا ہے۔ حدیثوں کے

حفظ کا مسئلہ کیا کوئی بڑی بات تھی؟ جس کی دشواریوں کو محسوس کر کے یا کرا کے آج حدیثوں کے متعلق بدگمانیاں پھیلائی جا رہی ہیں خصوصاً جب اسی کے ساتھ ان نکات کو بھی پیش نظر رکھ لیا جائے کہ ان محفوظ حدیثوں میں ملفوظات نبویہ کے ساتھ ایک بڑا حصہ واقعات (یعنی افعال اور تقریرات) کا بھی شریک تھا، اور میرا یہ تخمینہ ہے کہ حدیث کے ان تینوں اجزاء میں دو تہائی حصہ ان ہی واقعات کا ہے۔ بلکہ صحیح جستجو سے اگر کام لیا جائے تو شاید اس تخمینہ سے زیادہ بھی ہو، عرض کر چکا ہوں کہ واقعات کا یاد رکھنا آدمی کی قوت یادداشت کے لئے اتنا دشوار نہیں ہے، جتنا کہ ملفوظات اور اقوال کے یاد کرنے میں حافظہ پر بار پڑتا ہے پھر اسی کے ساتھ جب اس کو بھی سوچا جائے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال کے اس درمیانی وقفہ کے ابتدائی ایام میں عموماً حدیث کا سرمایہ بکھری ہوئی شکل میں تھا اجتماع اور تمرکز کی کیفیت اس میں بعد کو پیدا ہوئی ظاہر ہے کہ اجتماع و تمرکز کی اس کیفیت سے پہلے ہر ایک پر حدیثوں کی محدود تعداد کے حفظ کی جو ذمہ داری عاید ہوتی تھی اس لئے سمجھنا چاہئے کہ ایک خاص وقت تک اس سہولت سے بھی لوگ مستفید ہوتے رہے، لیکن جیسے جیسے یہ سرمایہ مخصوص دماغوں میں سمٹنے لگا تو اس کو بھولنا نہ چاہئے کہ حدیثوں کے سیکھنے سکھانے پڑھنے پڑھانے کے نظام کا استحکام اور اس کی استواری بھی بڑھتی چلی گئی اور گو عددی لحاظ سے آخر زمانہ میں حدیثوں کی تعداد میں بظاہر بے حساب اضافہ نظر آتا ہے لیکن پہلی بات تو اس سلسلہ کی وہی ہے کہ غیر معمولی اضافہ وقت کی اس درمیانی مدت کے بعد ہوا ہے نیز حدیثوں کے عددی اضافہ کا راز جب معلوم ہو چکا کہ وہ خود حدیثوں کا اضافہ نہ تھا بلکہ زیادہ تر سندیا متن میں بعض الفاظ کے اضافہ سے حدیثوں کے عدد میں اضافہ ہو جاتا تھا، تو پھر اس کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی، ایک

یمنی عالم نے اپنی کتاب "العلم الشامخ" نامی میں جلال الدین سیوطی کے اس دعویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ مجھے دو لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں، بڑے مزے سے لکھا ہے کہ لوگوں کو سیوطی کے اس دعویٰ سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ واقعی ان حضرات کو دو لاکھ حدیثیں یاد تھیں بلکہ ان کا یہ دعویٰ محدثین کی اسی اصطلاح پر مبنی ہے اور اسی کا نتیجہ ہے۔

فلا یکون الواحد فی کتاب السیوطی	کہ ایک ایک حدیث مذکورہ بالا حساب
اربعۃ او عشرۃ او ستین حدیثا	سے سیوطی کی کتاب میں چار یا دس یا ساٹھ
باصطلاحہم ص ۳۹۲ العلم الشامخ	تک کی تعداد تک پہنچ جاتی ہے۔

گویا سمجھنا چاہئے کہ حافظہ پر تو کل ساٹھ الفاظ کے یاد کرنے کا بار پڑا لیکن کہنے کے لئے ہو گیا کہ میں نے ساٹھ حدیثیں یاد کر لیں۔ ہوتا یہ تھا کہ مثلاً ایک ہی حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ بھی اس کے راوی ہیں، اور عائشہ صدیقہؓ بھی، ابن عمرؓ بھی آپ کے نزدیک تو وہ ایک ہی حدیث ہے، لیکن محدث بیان کرے گا کہ مجھے تین حدیثیں یاد ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک نام ابوہریرہؓ کے ساتھ "عائشہؓ" اور "ابن عمرؓ" ان دو ناموں کے یاد کر لینے سے ایک حدیث تین حدیث بن گئی عوام جو فن اور اس کی اصطلاحات سے ناواقف ہیں ان کو حیرت ہوتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ خود ان ناموں کے یاد رکھنے میں حافظہ کو دوسری بہت سی چیزوں سے مدد ملتی ہے، فن کا ہی اس نکتہ کو سمجھ سکتے ہیں، مثلاً یوں سمجھئے کہ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں فلاں فلاں صحابی سے حدیثیں زیادہ مروی ہیں۔

(باقی آئندہ)

ابو المنذر ابن الکلبی کی ایک روایت پر تنقید

(حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سابق ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند)

[illegible]ء کی بات ہے کہ روایت ذیل کی تحقیق و تنقید کے سلسلہ میں مولانا موصوف کو ابن الکلبی کی شہرۂ آفاق تصنیف "کتاب الاصنام" کے اردو ترجمے اور اس پر تنقید کا خیال پیدا ہوا اور جیسا کہ صاحب موصوف کی عادت ہے کہ جس کام کا تہیہ کر لیتے ہیں اسمیں غرق ہو جاتے ہیں مہینوں کی محنت و کاوش اور تلاش و تحقیق کے بعد پوری کتاب کا ترجمہ مع تشریح و تنقید مکمل کر لیا اس وقت تک ندوۃ المصنفین عالم وجود میں نہیں آیا تھا اور جب ۱۹۳۸ء میں اس کا قیام عمل میں آیا تو دوسرے کاموں کا سلسلہ شروع ہو گیا اسے شائع کرنے کا موقع نہیں ملا یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں مسودے کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا اب ڈیڑھ سال کے بعد منتشر کاغذات میں دبے ہوئے یہ چند اوراق ملے ہیں۔ (مدیر)

”ابن کلبی راوی ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ”عُزّیٰ“ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اسلام سے پہلے جبکہ میں اپنی قوم کے دین پر تھا تو میں نے بھی ایک سرخ و سپید (کبری) بکری ”عُزّیٰ“ کی نذر کی تھی“

یہ روایت سرتاسر غلط اور باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن کلبی کے متعلق محدثین کی جو متفقہ رائے ہے اگر اس سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ قول اس لئے لغو اور بے اصل ہے کہ بے سند ہے اور بے سند قول کو اور وہ بھی ایسے شخص کی بیان کردہ قول کو جو محدثین کے نزدیک قطعاً ناقابل اعتبار ہو کتاب میں روایت کرنا ہی روایت کی تحقیر کرنا ہے صحیح اور صریح روایات میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل بھی